حکمتِ سیّد مودودیؒ

(اداریہ)

غور کرو کہ جہاد فی سبیل اللہ کی اتنی فضیلت اور تعریف کس لیے ہے؟ جہاد کرنے والوں کو بار بار کیوں کہا جاتا ہے کہ وہی کامیاب ہیں اور انہی کا درجہ بلند ہے؟ —— اور اس سے بچ کر گھر بیٹھنے والوں کو ایسی تنبیہیں کیوں کی جاتی ہیں؟ اس سوال کو حل کرنے کے لیے ذرا اُن آیات پر پھر ایک نظر ڈال جاؤ جن میں جہاد کا حکم اور اُس کی فضیلت اور اُس سے بھاگنے کی بُرائی لکھی ہے۔ اِن آیات میں کامیابی اور عظمت کے معنی کسی جگہ مال و دولت اور ملک و سلطنت کا حصول نہیں بتائے گئے۔ جس طرح کرشن جی نے ارجن سے کہا تھا کہ اگر تو اس جنگ (مہابھارت) میں کامیاب ہوا تو "دُنیا کے راج کو بھوگے گا" (گیتا ۲: ۳۷)، اُس طرح قرآن میں کہیں یہ کہہ کر قتال فی سبیل اللہ کی جانب رغبت نہیں دلائی گئی کہ اس کے عوض تمہیں دولت اور حکومت ملے گی۔ بلکہ اس کے برعکس ہر جگہ جہاد فی سبیل اللہ کے عوض صرف خدا کی خوشنودی اور صرف اللہ کے ہاں بڑا درجہ ملنے اور عذابِ الیم سے محفوظ رہنے کی توقع دلائی گئی ہے۔ سقایۃ حاج اور عمارۃ مسجدِ حرام سے، جو عرب میں بڑے رسوخ و اثر اور بڑی آمدنی کا ذریعہ تھا، گھر بار چھوڑ کر نکل جانے اور جہاد فی سبیل اللہ کرنے کو افضل بتایا۔ اور پھر اس کے عوض اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ (اللہ کے نزدیک بڑے درجے) کے سوا اور کسی انعام کا ذکر نہیں کیا۔ دوسری جگہ ایک تجارت کا گُر سکھایا ہے جس سے گمان ہوتا ہے کہ شاید یہاں کچھ دھن دولت کا ذکر ہو۔ مگر پڑھ کر دیکھیے تو اس تجارت کی حقیقت یہ نکلتی ہے کہ اللہ کی

راہ میں جان اور مال کھپاؤ، اور اس کے عوض عذاب سے نجات حاصل کرو۔ ایک اور جگہ لڑائی سے جی چرانے والوں کو اس بات پر ڈانٹا جا رہا ہے کہ وہ بیوی بچوں کی محبت میں گرفتار پائے جاتے ہیں اور اپنے کمائے ہوئے مال اور اپنی تجارت کے کساد اور اپنے محبوب مکانوں کے چھٹنے کا خوف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حالانکہ دنیا میں جنگ کر کے جو لوگ ملک فتح کرتے ہیں، انہیں روپیہ بھی خوب ملتا ہے، اُن کی تجارت بھی خوب چمکتی ہے اور انہیں مفتوح قوم سے چھینی ہوئی عالی شان عمارتیں بھی رہنے کو ملتی ہیں۔

پھر جب اس جہاد سے دنیا کی دولت اور ملک گیری مقصود نہیں ہے تو آخر اس خون ریزی سے اللہ کو کیا ملتا ہے کہ وہ اس کے عوض اتنے بڑے بڑے درجے دے رہا ہے؟ آخر اس پُر خطر کام میں کیا رکھا ہے کہ اس کی بھاگ دوڑ سے گرد آلود ہونے والے قدموں تک کو الطافِ عنایات کا مورد بنایا جاتا ہے؟ اور آخر اس میں وہ کونسی کامیابی مُضمر ہے کہ اس خشک و بے مزہ جنگ میں لڑنے والوں کو بار بار اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ کہا جا رہا ہے؟ اس کا جواب اسی لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ اور اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ میں پوشیدہ ہے۔ اللہ یہ نہیں چاہتا کہ اُس کی زمین پر فتنہ و فساد پھیلایا جائے۔ اُسے یہ گوارا نہیں ہے کہ اس کے بندوں کو بے قصور ستایا اور تباہ و برباد کیا جائے۔ اُسے یہ پسند نہیں ہے کہ طاقتور کمزوروں کو کھا جائیں، اُن کے امن و چین پر ڈاکے ڈالیں، اور ان کی اخلاقی، روحانی اور مادی زندگی کو ہلاکت میں مبتلا کریں۔ اُسے یہ منظور نہیں ہے کہ دنیا میں سیہ کاری، بداعمالی، ظلم و بے انصافی اور قتل و غارت گری قائم رہے۔ وہ پسند نہیں کرتا کہ جو خاص اس کے بندے ہیں، ان کو مخلوق کا بندہ بنا کر ان کی انسانی شرافت پر ذلت کا داغ لگایا جائے۔ پس جو گروہ بغیر کسی معاوضہ کی خواہش، بغیر کسی دھن دولت کے لالچ، بغیر کسی ذاتی نفع کی تمنا کے محض خدا کی خاطر دنیا کو اس فتنہ سے پاک کرنے کے لیے اور اس ظلم کو دُور کر کے اس کی جگہ عدل قائم کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے، اور اس نیک کام میں اپنی جان و مال، اپنی تجارت کے فوائد، اپنے بال بچوں اور باپ بھائیوں کی محبت اور اپنے گھر بار کے عیش و آرام، سب کو قربان کر دے، اس سے

زیادہ اللہ کی محبت اور اللہ کی رضامندی کا مستحق کون ہو سکتا ہے؟ اور لیلائے کامرانی کی آغوش اس کے سوا اور کس کے لیے کھل سکتی ہے؟

جہاد فی سبیل اللہ کی یہی فضیلت ہے جس کی بنا پر اُسے تمام انسانی اعمال میں ایمان باللہ کے بعد سب سے بڑا درجہ دیا گیا ہے۔ اور غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ درحقیقت یہی چیز تمام فضائل و مکارمِ اخلاق کی روح ہے۔ انسان کی یہ اسپرٹ کہ وہ بدی کو کسی حال میں برداشت نہ کرے اور اُسے دفع کرنے کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جائے۔ انسانی شرافت کی سب سے اعلیٰ اسپرٹ ہے اور عملی زندگی کی کامیابی کا راز بھی اسی اسپرٹ ہی میں مضمر ہے۔ جو شخص دوسروں کے لیے بدی کو برداشت کرتا ہے اس کی اخلاقی کمزوری اسے بالآخر اس پر بھی آمادہ کر دیتی ہے کہ وہ خود اپنے لیے بدی کو برداشت کرنے لگے۔ اور جب اُس میں برداشت کا یہ مادّہ پیدا ہو جاتا ہے تو پھر اُس پر ذلت کا وہ درجہ آتا ہے جسے خدا نے اپنے غضب سے تعبیر کیا ہے۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ۔ اِس درجہ میں پہنچ کر آدمی کے اندر شرافت و انسانیت کا کوئی احساس باقی نہیں رہتا۔ وہ جسمانی و مادّی غلامی ہی نہیں بلکہ ذہنی و رُوحانی غلامی میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے اور کمینگی کے ایسے گڑھے میں گرتا ہے جہاں سے اُس کا نکلنا محال ہو جاتا ہے۔ اس کے بالمقابل جس شخص میں یہ اخلاقی قوت موجود ہو کہ وہ بدی کو محض بدی ہونے کے باعث بُرا سمجھے اور انسانی برادری کو اس سے نجات دلانے کے لیے ان تھک جدوجہد کرتا رہے۔ وہ ایک سچا اور اعلیٰ درجے کا انسان ہوتا ہے۔ اور اس کا وجود عالمِ انسانی کے لیے رحمت ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو چاہے دُنیا سے کسی معاوضہ کی خواہش نہ ہو۔ مگر دُنیا ان تمام ناشکریوں کے باوجود جن کے داغ اس کی پیشانی پر موجود ہیں، اتنی احسان ناشناس نہیں ہے کہ وہ اس خادمِ انسانیت کو اپنا سرتاج، اپنا امام اور اپنا سردار تسلیم نہ کرلے، جو بے لاگ، بے اُمید اجر و بے تمنائے مزد اُسے بدی کے تسلط سے چھڑانے اور اخلاقی و روحانی اور مادّی آزادی عطا کرنے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دے۔ اسی سے اس آیت کے معنی سمجھ میں آتے ہیں جس میں فرمایا گیا ہے کہ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ۔ زمین

کے وارث میرے نیکوکار بندے ہوں گے۔ اور یہیں سے یہ بات نکلتی ہے کہ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ۔ اِس سے آخرت ہی کی کامیابی مراد نہیں ہے، بلکہ دُنیا کی کامیابی بھی حقیقتہً انہی لوگوں کے لیے ہے جو نفسانی اغراض سے پاک ہو کر خالصتہً اللہ کی خوشنودی اور اللہ کے بندوں کی بھلائی کے لیے جہاد کرتے ہیں۔

جہاد کی اس حقیقت کو جان لینے کے بعد یہ سمجھ لینا بہت آسان ہے کہ قوموں کی زندگی میں اس کو کیا درجہ حاصل ہے اور نظامِ تمدّن کو درست رکھنے کے لیے اس کی کس قدر ضرورت ہے۔ اگر دُنیا میں کوئی ایسی قوت موجود ہو جو بدی کے خلاف پیہم جہاد کرتی رہے اور تمام سرکش قوتوں کو اپنی اپنی حدود کی پابندی پر مجبور کر دے تو نظامِ تمدّن میں بے اعتدالی ہرگز نظر نہ آئے کہ آج سارا عالمِ انسانی ظالموں اور مظلوموں، آقاؤں اور غلاموں میں بٹا ہوا ہے، اور تمام دُنیا کی اخلاقی و روحانی زندگی کہیں غلامی و مظلومی کے باعث اور کہیں غلام سازی و جفاکیشی کے باعث تباہ و برباد ہو رہی ہے۔ بدی کو دوسروں سے دفع کرنا تو ایک بڑا درجہ ہے، اگر اُسے خود اپنے سے دفع کرنے کا احساس بھی ایک قوم میں موجود ہو اور اس کے مقابلہ میں وہ اپنے عیش و آرام کو، اپنی دولت و ثروت کو، اپنی نفسانی لذّات اور اپنی جان کی محبت کو، غرض کسی چیز کو بھی عزیز نہ رکھے تو وہ کبھی ذلیل و خوار ہو کر نہیں رہ سکتی اور اس کی عزت کو کوئی قوت پامال نہیں کر سکتی۔ حق کے آگے سر جھکانا اور ناحق کے آگے سر جھکانے پر موت کو ترجیح دینا ایک شریف قوم کا خاصہ ہونا چاہیے اور اگر وہ اِعلائے حق اور اعانتِ حق کی قوت نہ رکھتی ہو تو اُسے کم از کم تحفّظِ حق پر سختی کے ساتھ ضرور قائم رہنا چاہیے جو شرافت کا کم سے کم درجہ ہے۔ لیکن اس درجے سے گر کر جو قوم اپنے حق کی حفاظت بھی نہ کر سکے اور اس میں ایثار و قربانی کا فقدان اس قدر بڑھ جائے کہ بدی و شرارت جب اس پر چڑھ کر آئے تو وہ اُسے مٹانے یا خود مٹ جانے کے بجائے اس کے ماتحت زندہ رہنے کو قبول کر لے تو ایسی قوم کے لیے دُنیا میں کوئی عزت نہیں ہے، اس کی زندگی یقیناً موت سے بدتر ہے۔

اسی رمز کو سمجھانے کے لیے خدا نے بار بار اپنی حکیمانہ کتاب میں ان قوموں کا ذکر کیا ہے، جنہوں نے بدی کے خلاف جہاد کرنے میں جان و مال اور لذاتِ نفسانی کا ٹوٹا دیکھ کر اس سے جی چرایا اور بدی کا تسلط قبول کر کے اپنے اوپر ہمیشہ کے لیے خسران و نامرادی کا داغ لگا لیا۔ ایسی قوموں کو خدا ظالم قومیں کہتا ہے۔ یعنی انہوں نے اپنے اعمال سے خود اپنے اُوپر ظلم کیا، اور حقیقتہً وہ اپنے ہی ظلم سے تباہ ہوئیں۔

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قارئین سے گذارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں ہوں۔ اُن کا خاص احترام ملحوظ رکھیں تاکہ بے ادبی نہ ہونے پائے۔

(ادارہ)

ہماری نئی مطبوعات

۱۔ فقہ الزکاۃ۔ یوسف القرضاوی۔ حصہ اول دوم مجلد ۵۰/- روپے
۲۔ فقہ الزکاۃ۔ یوسف القرضاوی۔ حصہ سوم ۳۰/- "
۳۔ سیّد بادشاہ کا قافلہ۔ آبادشاہ پوری ۴۸/- "

البدر پبلی کیشنز۔ اُردو بازار۔ لاہور